۵۱

جیسا کرو گے ویسا بھرو گے

(فرمودہ ۱۱/ مئی ۱۹۲۸ء)

تشہد، تعوذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:

عربی کی ایک مثل ہے۔ کَمَا تَدِیْنُ تُدَانُ. کہ جس طرح تم کسی سے معاملہ کرو گے تمہارے ساتھ بھی اسی طرح کیا جائے گا۔ یہ مثل در حقیقت بہت سی روحانی باتوں پر مشتمل ہے اور ایسے منہ سے نکلی ہوئی ہے جس کے پیچھے ایک سوچنے والا دماغ اور ایک غور کرنے والی طبیعت تھی۔ تمام قانون قدرت میں ہم دیکھتے ہیں کہ انسان کے اعمال عجیب پیرایہ میں اس کے گرد چکر لگاتے پھرتے ہیں۔ وہ بظاہر اس کے ساتھ وابستہ بھی نہیں ہوتے مگر اس سے جدا بھی نہیں ہوتے۔ ان کی مثال پرندہ کی اور سدھے ہوئے پرندہ کی طرح ہوتی ہے۔ جس طرح سدھا ہُوا پرندہ انسان سے جدا ہوتا ہے اور بظاہر جدا نظر آتا ہے لیکن آقا کی آواز پر پھر اس کے پاس آجاتا ہے اسی طرح انسان کے اعمال کی حالت ہوتی ہے۔ لوگ باز اور شکرے پالتے ہیں اور ان کو شکار کے پیچھے چھوڑتے ہیں پھر انہیں آواز دیتے ہیں تو وہ ان کے پاس آجاتے ہیں۔ کبوتروں کو لوگ پالتے ہیں کبوتر اڑ کر دور نکل جاتے ہیں پھر جب آقا آواز دیتا ہے تو اس کے پاس آجاتے ہیں۔ پس جس طرح پرندہ ایک قسم کی وحشت بھی رکھتا ہے اور باوجود اس کے انسان کے ساتھ ایک قسم کا اتحاد بھی رکھتا ہے بعینہٖ اسی طرح انسان کے اعمال کی حالت ہے۔ حیوانوں کو بھی لوگ پالتے ہیں بلی، کتے اور دوسرے چوپاؤں میں یہ مادہ ہے کہ ان کی وحشت بڑی حد تک دور ہو جاتی ہے۔ ایک شخص کتا پالتا ہے کتا بھی اس سے جدا ہوتا ہے مگر وہ جدا ہونا ایسا ہی ہوتا ہے جیسے بیٹا باپ سے جدا ہوتا ہے لیکن پرندوں میں وحشت باقی رہتی ہے وہ کبھی چوپاؤں کی طرح ہِل نہیں سکتے۔ یہی وجہ ہے کہ عربی زبان میں اور قرآن میں اس محاورہ کو استعمال کیا گیا

ہے اور انسان کے اعمال کو طائر کہا گیا ہے۔ بعض نے اس کی یہ وجہ سمجھی کہ جو عمل انسان کرتا ہے وہ اڑ جاتا ہے اس لئے انسانی اعمال کو طائر کہا گیا ہے مگر میرے نزدیک یہ غلط ہے۔ اگر انسان جو عمل کرے وہ اڑ جائے تو اس میں اس کا کیا حرج ہے۔ اس طرح تو وہ فائدہ میں رہے گا کہ کسی بات کے متعلق اس سے باز پرس نہ ہو گی۔ میرے نزدیک اس سے مراد یہ ہے کہ انسان کے اعمال میں بھی ایک قسم کی وحشت پائی جاتی ہے۔ عمل اڑتا ہے مگر آواز پر پھر آجاتا ہے۔ ایک انسان جب اپنے گذشتہ اعمال سے توبہ کرتا ہے اپنی بداعمالیوں پر اظہار ندامت کرتا ہے آئندہ کے لئے ان سے بچنے کا عہد کرتا ہے تو وہ اعمال اس سے جدا ہو جاتے ہیں۔ لیکن دو' چار' دس' بیس سال تک توبہ پر وہ قائم رہتا ہے اور پھر اس پر ابتلاء آجاتا ہے وہ خدا تعالیٰ کی نافرمانی کرتا ہے۔ یہ نافرمانی آواز ہوتی ہے جس پر اس کے وہ پہلے اعمال پھر اس کے پاس آجاتے اور اس کے نامہ اعمال میں لکھے جاتے ہیں۔ یہی نہیں کہ توبہ توڑنے کے بعد جو اعمال کرے گا وہ اس کے نام لکھے جائیں گے بلکہ توبہ کرتے وقت جو اعمال اس نے کئے تھے وہ بھی لکھے جائیں گے۔ مثلاً ایک شخص بیس سال کی عمر میں مسلمان ہوتا ہے اور پچاس سال کی عمر تک مسلمان رہتا ہے اس کے بعد کافر ہو جاتا ہے تو اس کے نام وہ اعمال بھی لکھے جائیں گے جو اس نے مسلمان ہونے سے پہلے کئے تھے کیونکہ جب اس نے اپنے کفر سے اعمال کو بلایا تو وہ فوراً اس کے پاس جمع ہو جاتے ہیں یہی حال اعمال کا ہوتا ہے۔ ایک شخص چالیس پچاس سال مؤمن رہتا ہے پھر اسے ٹھوکر لگتی ہے اور کافر ہو جاتا ہے تو یہی نہیں کہ اس کے مؤمن ہونے کی حالت کے اعمال ضائع ہو جائیں گے۔ اگر وہ اپنی زندگی کے آخری سال کافر ہو جاتا ہے تو وہ کافر ہی سمجھا جائے گا اسی طرح اگر کوئی ساری عمر کافر رہتا ہے۔ لیکن زندگی کے آخری سال میں مسلمان ہو جاتا ہے تو وہ مؤمن سمجھا جائے گا۔

غرض اعمال خواہ بد ہوں یا نیک ان کی مثال سدھے ہوئے پرندہ کی سی ہوتی ہے جو اڑ کر دور چلا جاتا ہے مگر پھر آواز دینے پر پاس آجاتا ہے اسی طرح اعمال خواہ بد ہوں یا نیک انسان کے تغیر کے ساتھ اڑ جاتے ہیں اور تغیر کے ساتھ جمع ہو جاتے ہیں۔ اگر کفر کے پرندے ہوں تو جب کوئی شخص کفر کی آواز اٹھاتا ہے وہ اس کے پاس جمع ہو جاتے ہیں اور اگر ایمان کے پرندے ہوں تو جب ایمان کی آواز اٹھاتا ہے اس کے پاس آجاتے ہیں۔ پس اعمال انسانی انسان کے گرد چکر لگاتے رہتے ہیں اور عجیب عجیب اثرات ظاہر کرتے ہیں۔ ان کی مثال جنات کی سمجھو (پرندہ

بھی جنات میں سے ہے۔ کیونکہ چھوٹا ہوتا ہے اور اڑتے ہوئے جب دور چلا جائے تو نظر نہیں آتا) جن کے اثرات غیر معلوم طور پر ظاہر ہوتے رہتے ہیں۔ ماں باپ جھوٹ بولتے ہیں آگے ان کی اولاد جھوٹ بولنے لگ جاتی ہے۔ لوگ اپنی اولاد کو جھوٹ سکھاتے نہیں بلکہ جھوٹ بولنے سے روکتے ہیں مگر باوجود اس کے بچے جھوٹ بولنا سیکھ لیتے ہیں کیونکہ انسانوں کو ان کے اعمال چاروں طرف سے گھیرے ہوتے ہیں اور ان کے اثرات ان کے بچوں پر بھی پڑتے ہیں۔ جو ماں باپ چوری کرتے ہیں ان کے بچوں میں بھی چوری کرنے کی عادت پائی جاتی ہے وہ ماں باپ جو گالی گلوچ کرتے ہیں ان کے بچے بھی گالیاں دینے کے عادی ہو جاتے ہیں۔ ایک گندی گالیاں دینے والا کہتا ہے میں نے فلاں کی خوب خبر لی حالانکہ جسے گالیاں دیتا ہے اسے پتہ بھی نہیں ہوتا کہ کیا کہا گیا اور اگر سامنے ہوتا ہے تو بھی اس کا کیا بگڑ جاتا ہے۔ مگر گالیاں دینے والا اپنے آپ کو ذبح کر لیتا ہے کیونکہ اس کی اولاد میں بد زبانی کی عادت پیدا ہو جاتی ہے۔

اسی طرح وہ شخص جو کسی کی غیبت کر رہا ہوتا ہے سمجھتا ہے اسے نقصان پہنچا رہا ہے مگر اسے نقصان نہیں پہنچاتا بلکہ اپنے آپ کو نقصان پہنچاتا ہے۔ اس کے رشتہ دار جو اس کے پاس بیٹھے غیبت سنتے ہیں وہ اس کی غیبت کرنے لگ جاتے ہیں۔ بچے جب دیکھتے ہیں کہ ان کے باپ دادا یا بھائی نے کسی کی غیبت کی تو وہ سمجھتے ہیں یہ اچھی بات ہی ہوگی تبھی کی گئی ہے اور پھر وہ اسی کی غیبت شروع کر دیتے ہیں۔ پس انسان کے اعمال مرنے کے بعد جو بدلہ دیں گے وہ تو دیں گے ہی اس دنیا میں بھی دے رہے ہیں۔ اور ان کی بعض چوٹیں ایسی سخت پڑتی ہیں کہ خود انسان ان کو برداشت نہیں کر سکتا۔ پھر اس کے بچوں' رشتہ داروں اور بیوی پر ان کے اثرات پڑتے ہیں۔ ادھر تو یہ نتیجہ ہوتا ہے کہ اگر کوئی جھوٹ بولتا ہے تو اس کی اولاد جھوٹ بولنے لگ جاتی ہے۔ اگر کوئی گالیاں دیتا ہے تو اس کی اولاد گالیاں دینے کی عادی ہو جاتی ہے۔ اگر کوئی فتنہ پردازی کرتا ہے تو اس کی اولاد فتنہ انگیز ہو جاتی ہے اور دوسری طرف خدا تعالیٰ کا اس سے ایسا ہی معاملہ ہوتا ہے۔ اگر کوئی شخص لوگوں پر غضب کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ بھی اس سے ایسا ہی معاملہ کرتا ہے۔ انجیل میں حضرت مسیح ناصریؑ کا قول آتا ہے حدیثوں میں بھی اس کا ذکر ہے۔ مگر میں انجیل کا قول اس لئے نقل کرتا ہوں کہ ایک تو وہ پہلے کی ہے اور دوسرے یہ کہ وہ ایک ایسی قوم سے تعلق رکھتی ہے جو مسلمان نہیں ہے اور میرا یہ وعظ مسلمانوں کے لئے ہی نہیں بلکہ دوسروں کے لئے بھی ہے۔ عیسائی کوئی اسلامی کلام نہ مانیں گے مگر انجیل کا قول ان پر بھی

حجت ہو گا- تو انجیل میں آتا ہے حضرت مسیحؑ کہتے ہیں خدا تعالیٰ کہے گا:-

اے ملعونو! میرے سامنے سے اس ہمیشہ کی آگ میں چلے جاؤ جو ابلیس اور اس کے فرشتوں کے لئے تیار کی گئی ہے- کیونکہ میں بھوکا تھا- تم نے مجھے کھانا نہ کھلایا- پیاسا تھا- تم نے مجھے پانی نہ پلایا- پردیسی تھا- تم نے مجھے گھر میں نہ اتارا- ننگا تھا- تم نے مجھے کپڑا نہ پہنایا- بیمار اور قید میں تھا- تم نے میری خبر نہ لی- تب وہ بھی جواب میں کہیں گے- اے خداوند ہم نے کب تجھے بھوکا یا پیاسا یا پردیسی یا ننگا یا بیمار یا قید میں دیکھ کر تیری خدمت نہ کی- اس وقت وہ ان سے جواب میں کہے گا میں تم سے سچ کہتا ہوں- چونکہ تم نے ان سب چھوٹوں میں سے کسی ایک کے ساتھ یہ نہ کیا اس لئے میرے ساتھ نہ کیا۔[۱]

گویا جو سلوک دنیا میں لوگوں سے انہوں نے کیا ہو گا ویسا ہی خدا ان سے کرے گا اور قیامت کے دن پر کیا موقوف ہے اس دنیا میں ہی کرتا ہے- پس انسان کے اعمال کا ادھر تو یہ اثر ہوتا ہے کہ جو لوگ اس کے زیر اثر ہوتے ہیں وہ وہی باتیں سیکھ لیتے ہیں حالانکہ کوئی یہ نہیں چاہتا کہ جو برے اعمال وہ کرتا ہو وہ اس کی اولاد سیکھ لے- چور خود چوری کرتے ہیں مگر ان کی کوشش یہ ہوتی ہے کہ ان کی اولاد چوری نہ کرے- ڈاکو خود ڈاکے ڈالتے ہیں مگر کبھی نہیں سنا کہ وہ اپنے بیٹوں کو اس کام میں شامل کریں- وہ اوروں کو اپنے ساتھی بناتے اور اس فعل پر مائل کرتے ہیں مگر اپنی اولاد کے متعلق یہی چاہتے ہیں کہ وہ ایسا نہ کرے گو یہ ہو سکتا ہے کہ وہ اپنے اعمال کی خرابی کی وجہ سے خود ایسے کاموں میں شامل ہو جائیں- تو بچے خود بخود ماں باپ کی باتوں کی نقل کرنے لگ جاتے ہیں- یہ تو انسانی اعمال کا اثر نچلے لوگوں پر ہوتا ہے اور جو اوپر والی ہستی ہے اس پر یہ اثر ہوتا ہے کہ جیسا کوئی لوگوں سے معاملہ کرتا ہے ویسا ہی خدا اس سے معاملہ کرتا ہے- یہ مت خیال کرو کہ بعض جو اخلاقی جرم ہیں ان کے معاملہ میں خدا کیا سلوک کرتا ہے مثلاً چور چوری کرتا ہے اس کے متعلق خدا کیا کرے گا؟ یہ ٹھیک ہے کہ خدا ایسے افعال کا مرتکب نہیں ہوتا مگر ہر اخلاقی جرم کے مقابلہ میں اخلاقی سزا ہوتی ہے- خدا تعالیٰ چور سے معاملہ کرتے ہوئے چوری تو نہ کرے گا لیکن اسے یہ سزا دے گا کہ اس کا مال و اسباب غیر معلوم طور پر ضائع ہوتا چلا جائے گا اور اس میں برکت نہیں ہو گی- حضرت خلیفہ اول اپنے وطن کی ایک عورت کا ذکر کرتے کہ اس کا خاوند باہر ملازمت پر تھا اور اس کے پاس کافی زیور تھا- ایک ہزار

کی مالیت کے کپڑے ہی تھے ایک چور نے وہ اتار لئے۔ عورت نے اگرچہ کوشش کی کہ چور کا مقابلہ کرے مگر کپڑے نہ بچا سکی البتہ اس نے چور کی شکل پہچان لی۔ اس وقت رواج تھا کہ عورتیں خواہ امیر ہوں یا غریب اپنے مکان کے پاس گلی میں بیٹھ کر چرخہ کاتتی تھیں اور اس طرح اپنے استعمال کے لئے کپڑا تیار کرتی تھیں۔ اب یہ رواج عموماً متروک ہو گیا ہے کیونکہ اس سے زیادہ مفید کام نکل آئے ہیں۔ وہ عورت گلی میں بیٹھی چرخہ کات رہی تھی کہ چور ادھر سے گذرا۔ عورت نے اسے پہچان لیا۔ چور اسے دیکھ کر بھاگنے لگا تو اس نے کہا کہ میں تمہیں پکڑنے والی نہیں بلکہ ایک بات کہنا چاہتی ہوں تم میری بات سن لو۔ جب وہ قریب آیا تو اس نے کہا تُو میرے ہزار کے کپڑے لے گیا تھا اور مجھے کنگال کر گیا تھا مگر تیرے پاس اب بھی وہی لنگوٹی ہے جو پہلے تھی اور میرے پاس پھر ویسے ہی کپڑے موجود ہیں۔

غرض چوروں اور ڈاکوؤں کو دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ کبھی وہ خوشحال نہیں ہوتے۔ دراصل جو دوسروں کا مال لیتا ہے اور جسے اپنی جان کا خطرہ ہوتا ہے وہ جان بچانے کے لئے اسے خرچ کرتا ہے اور یوں بھی ضائع کر دیتا ہے۔ اگر وہ محنت کر کے کماتا تو اپنی جان کے آرام کے لئے خرچ کرتا لیکن جب چوری کرتا ہے تو جان بچانے کے لئے اسے خرچ کرنا پڑتا ہے۔

پس بے شک اللہ تعالیٰ چور کو سزا دینے کے لئے چوری نہیں کرتا مگر چور پر ایسے اسباب مسلط کر دیتا ہے کہ اس کا مال اسی طرح اس کے ہاتھ سے چلا جاتا ہے جس طرح دوسروں کا مال چوری کے ذریعہ وہ لے جاتا ہے۔ سورۃ فاتحہ میں خدا تعالیٰ نے جو وَلَا الضَّآلِّيْنَ[۲] فرمایا ہے یہ ایسے ہی نتائج کے لئے فرمایا ہے۔ یہود میں غصہ زیادہ تھا کیونکہ ان کو تعلیم دی گئی تھی کہ

"تیری آنکھ مروت نہ کرے۔ کہ جان کا بدلہ جان۔ آنکھ کا بدلہ آنکھ۔ دانت کا بدلہ دانت۔ ہاتھ کا بدلہ ہاتھ اور پاؤں کا بدلہ پاؤں ہو گا"[۳]۔

اور کہا گیا تھا۔

"عضو توڑنے کے بدلے عضو توڑنا۔ آنکھ کے بدلے آنکھ[۴]۔ دانت کے بدلے دانت جیسا کوئی کسی کا نقصان کرے اس سے ویسا ہی کیا جائے"[۵]۔

اس میں چونکہ یہود بہت بڑھ گئے تھے اس لئے خدا تعالیٰ نے ان کا نام مغضوب رکھا۔ مطلب یہ کہ جس طرح تم دوسروں پر غضب کرتے ہو اسی طرح تم پر بھی غضب ہی غضب

نازل ہو گا۔ ان کے مقابلہ میں عیسائیوں نے محبت کی غلط تعلیم دی اس کا نتیجہ یہ ہُوا کہ وہ ضالّ ہو گئے۔ انہوں نے محبت اور ہمدردی میں غلو کیا۔ جس طرح یہود نے غضب میں غلو کیا تھا اسی طرح عیسائیوں نے محبت میں غلو کیا۔ اور کہا:۔

"شریر کا مقابلہ نہ کرنا۔ بلکہ جو کوئی تیرے داہنے گال پر طمانچہ مارے دوسرا بھی اس کی طرف پھیر دے۔ اور اگر کوئی تجھ پر نالش کر کے تیرا کُرتا لینا چاہے تو چوغہ بھی اسے لے لینے دے اور جو کوئی تجھے ایک کوس بیگار میں لے جائے۔ اس کے ساتھ دو کوس چلا جا"۔[۵] (متی باب ۵، آیت ۳۹ تا ۴۱)

پس چونکہ عیسائیوں نے محبت میں غلو کیا اس لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا تمہارے ساتھ یہ سلوک کیا جائے گا کہ ایسے سامان پیدا کر دیئے جائیں گے کہ محبت کا غلو ہی تمہیں تباہ کر دے گا۔ تمہاری قوم ایسی عیاشیوں اور بدکاریوں میں مبتلاء ہو جائے گی جو محبت میں غلو کرنے کے نتائج میں حاصل ہوتی ہیں اور پھر وہی باتیں تباہی کا باعث ہو جائیں گی۔ جس طرح یہود اپنے اندر غضب پیدا کر کے بیرونی حکومتوں کے غضب کے نیچے آگئے اور اس طرح تباہ ہو گئے اسی طرح تم اپنے اندر محبت میں غلو کر کے خود اپنی تباہی کا موجب ہو گے۔ یہود نے غضب اختیار کیا تو بیرونی قوموں نے انہیں تباہ کر دیا۔ عیسائیوں نے محبت میں غلو کیا تو وہ ضلالت میں جا پڑے اور ان کے اندر سے ہی تباہی کے سامان خدا تعالیٰ نے پیدا کر دیئے۔ وہی نظام جس کا نام ترقی کے سامان رکھا جاتا ہے وہی ان کی تباہی کا موجب ہو گیا اور عمارت اپنے اندر کے نقص سے ہی ٹوٹ گئی۔ تو غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْهِمْ وَلَا الضَّآلِّیْنَ میں پیشگوئی کی گئی تھی۔ کوئی کہے یہود تو اس سورۃ کے نازل ہونے سے قبل تباہ ہو چکے تھے ان کے متعلق یہ کس طرح پیشگوئی ہوئی۔ اس کے متعلق میں کہوں گا کہ بے شک وہ یہود تباہ ہو چکے تھے لیکن چونکہ مثیل یہود پیدا ہونے والے تھے ان کے لئے پیش گوئی ہے۔

جو لوگ غضب کا رستہ اختیار کرنے والے تھے اور یہ کہنے والے تھے کہ جو قابو میں آجائے اسے پیس ڈالو ان پر خدا تعالیٰ جابر اور ظالم بادشاہوں کو مقرر کر دے گا اور اس طرح وہ تباہ ہو جائیں گے اور جنہوں نے ناجائز محبت اختیار کی اور اس میں غلو کیا ان پر محبت ہی الٹ پڑے گی اور اپنی قوم ہی انہیں تباہ کر دے گی۔ پس سورۃ فاتحہ میں ایک بہت بڑی پیشگوئی ہے جس میں بتایا گیا ہے کہ ایک طرف تو مسلمانوں پر غیروں کو مسلط کر دیا جائے گا اور اس طرح ان کی تباہی

کے سامان پیدا ہو جائیں گے۔ اور دوسری طرف عیسائیوں کے لئے یہ سامان کیا جائے گا کہ وہ آپس میں ہی لڑ کر تباہ ہوں گے۔ ملکی فسادوں اور رعایا کی شورشوں سے ان کا تنزل ہو گا۔ چنانچہ اس کے اثرات ظاہر ہو رہے ہیں۔ وہی سٹرائیکس (Stricks) جن کے متعلق کہتے تھے کہ ان کے کرنے کا لوگوں کو حق ہے وہی ان کی تباہی کا باعث بن رہی ہیں۔ وہ کہتے تھے عورتوں پر کیوں کسی قسم کی پابندی عائد کی جائے ان کو ہر طرح آزادی دینی چاہئے اب وہی حد سے بڑھی ہوئی آزادی تباہی کا باعث بن رہی ہے۔ غرض انہوں نے تقویٰ کو چھوڑ کر محبت کو بہت وسیع کر دیا اور وہی ان کی تباہی کا موجب بن گئی۔

پس غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْھِمْ میں یہ بتایا گیا کہ ایک قوم ہو گی جو غیروں کے حملوں سے تباہ ہو گی چنانچہ ایسا ہی ہؤا۔ اور دوسری قوم جو ضالّ ہو گی اس کے اندر سے اس کی تباہی کے سامان پیدا ہوں گے یہ بھی پیدا ہو چکے ہیں۔ یہ ایک بہت بڑی پیش گوئی ہے۔ اور اس کا فائدہ یہ ہے جو قرآن نے ہی بیان کر دیا ہے کہ اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ جو کامیاب ہونا چاہتے ہیں وہ اس طریق پر چلیں کہ نہ تو وہ دوسروں پر غضب کریں اور انہیں پیٹنے اور کچلنے لگ جائیں اور نہ ہی ان میں یہ مادہ پیدا ہو کہ خدا تعالیٰ کو چھوڑ کر دوسروں کی ناجائز محبت میں پڑ جائیں۔ ہر ناجائز محبت میں دوسروں کا حق تلف ہوتا ہے۔ ایک کے ساتھ اگر کوئی ناجائز رعایت کی جائے تو اس میں کسی اور کی ضرور حق تلفی ہوتی ہے کیونکہ انسان میں یہ تو قدرت نہیں ہے کہ کوئی نئی چیز پیدا کر کے کسی کو دے سکے۔ یہ خدا تعالیٰ ہی کی صفت ہے اور خدا تعالیٰ نے جو کچھ پیدا کیا ہوتا ہے اس پر کسی نہ کسی کا حق ہوتا ہے پس اس آیت میں یہ تعلیم دی گئی ہے کہ نہ تو تم غضب سے کام لو ورنہ تم پر بھی غضب کیا جائے گا اور نہ کسی کی ناجائز رعایت کرو ورنہ وہی رعایت اُلٹ کر تم پر پڑے گی اور تمہاری تباہی کا موجب ہو جائے گی۔ بلکہ درمیانی رستہ اختیار کرو۔ وہ درمیانی رستہ وہی ہے جو سورۃ فاتحہ میں بتایا گیا ہے اور جسے مؤمن ہر روز کئی بار پڑھتا ہے۔ مگر افسوس ہے کہ بہت کم لوگ ہیں جو اس پر عمل کرتے ہیں۔ میں دعا کرتا ہوں کہ خدا تعالیٰ ہماری جماعت کے لوگوں کو توفیق دے کہ ان کی طبائع قرآن کریم کے ماتحت ہوں۔ وہ محبت میں بھی حد سے نہ بڑھیں اور غضب میں بھی حد سے نہ بڑھیں بلکہ خدا تعالیٰ کے فضل سے درمیانی رستہ پر چلنے والے ہوں۔

(الفضل ۱۸/ مئی ۱۹۲۸ء)

لہ متی باب ۲۵ آیت ۴۱ تا ۴۶ نارتھ انڈیا بائبل سوسائٹی مرزا پور مطبوعہ ۱۸۷۰ء

۲ہ الفاتحۃ : ۷

۳ہ استثناء باب ۲۹ آیت ۱۲ نارتھ انڈیا بائبل سوسائٹی مرزا پور مطبوعہ ۱۸۷۰ء

۴ہ احبار باب ۲۴ آیت ۲۰، ۲۱ " " " " " " " " (مفہوماً)

۵ہ متی باب ۵ آیت ۳۹ تا ۴۱ " " " " " " " "

۶ہ الفاتحۃ : ۷

۷ہ الفاتحۃ : ۶